حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

مرزا اسداللہ خاں غالب ؔ: شخص و شاعر۔ اجمالی جائزہ

AN OVERIVEW OF MIRZA ASADULLAH KHAN GHALIB:PERSON AND POET

ڈاکٹر ساجد محمود
جی ایم کالج آف انٹرنیشنل سٹڈیز ، یو اے ای
darsajidmahmood@gmail.com
محسن خالد محسنؔ
شعبہ اُردو(گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج،لاہور)
mohsinkhalid53@gmail.com

ABSTRACT

Urdu poetry has produced hundreds of poets. The innovation of style and poetic language that Mirza Ghalib has given to Urdu poetry in particular and to Urdu prose in general has not come to the attention of any other poet. Ghalib has had a profound impact on the Urdu language and literature. In classical ghazals, Mirza Ghalib's Dewan is a model for his contemporary poets. Ghalib spent most of his life at Nawabi Thath. Even under the most adverse conditions and hardships, he maintained his interest in poetry and poetry, as well as the series of creation and writing. The poets and writers have mentioned words and personalities through poems and stories, which is a special element of dominance in Urdu literature. Ghalib's personality has numerous qualities, which are mentioned in detail by his biographers and commentators. Ghalib's personality encompasses many facets. Ghalib was born in an era where there was a clash of civilizations and the invasion of military powers. upcoming day; it was a manifestation of life and death, beginning and end. In this environment of defeat and desolation, Ghalib saw with the intellectual eye of consciousness and made money in poetry and prose. Mirza Ghalib is undoubtedly a tall and giant poet whose poetry contains immense intellectual, artistic, and linguistic merits.

Keywords: *Ghalib,Poetry,,Urdu,Ghazl,Classic,Artist,Intellectual,Literature,Manifestation*

اُردو شاعری نے سیکڑوں شُعراء پیدا کیے ہیں۔ ہنُوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ جن شُعراء کو ہر دور میں برابر شُہرت اور نامُوری حاصل رہی ہے ان میں مرزا اسداللہ خاں غالِبؔ کا نام سرفہرست ہے۔ مرزا غالِبؔ نے اُردو شاعری کو بالخصوص اور اُردو نثر کو بالعموم جو اُسلوب کی جِدت اور شعری زُبان دی ہے وہ کسی اور شاعر کے حصے میں نہیں آئی۔ اُردو زُبان و ادب پر غالِبؔ کے گہرے اثرات ہیں۔ کلاسیکی غزل میں مرزا غالِبؔ کا دِیوان ان کے ہم عصر شُعراء کے لیے نمونہ ہے۔

مرزا غالِبؔ کے آباد و اجداد سمرقند کے باسی تھے۔ مرزا قوقان بیگ، مرزا کے دادا تھے جنھوں نے سمرقند کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہا اور ہِندُوستان کا رُخ کیا۔ یہاں چند برس میں تجارت و سپاہ گری کی فطری صلاحیت کے پیش نظر دربار تک رَسائی حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرے۔ پر تھوی چندر لکھتے ہیں:

> ”غالِبؔ کے دادا قوقان بیگ اپنے والد ترسم خان سے رُوٹھ کر ۱۷۵۰ء کے لگ بھگ سمرقند سے محمد شاہ کے عہد میں ہِندُوستان آئے اور ایک معزز عہدے پر ملازم ہوئے۔ انھوں نے تین اُولادیں چھوڑی تھیں۔ ایک لڑکی، دو لڑکے عبداللہ بیگ اور نصر اللہ بیگ۔ یہی عبداللہ بیگ غالِبؔ کے بزرگوار ہیں۔“[1]

غالِبؔ کے والد مرزا دولہا کے لقب سے معروف تھے۔ ان کا اصل نام مرزا عبداللہ بیگ تھا۔ ان کے تین بچے تھے۔ مرزا غالِبؔ منجھلے بیٹے ہیں جن کی ولادت ۱۲۱۲ مطابق ۱۷۹۷ء میں ہوئی۔ مرزا غالِبؔ پانچ برس کے ہوئے جب ان کے والد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ والد کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد ان کی تربیت نصر اللہ بیگ چچا کرتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

غالبؔ کے چچا کی وفات کے بعد ان کے سرپر نانا خواجہ غلام حسین نے ہاتھ رکھا۔ان کی خصوصی تعلیم کی طرف خاص توجّہ دی گئی۔اپنے عہد کے نامور مدرسین اور دانشوواران سے مرزا کی اِبتدائی تعلیم کا سلسلہ مکمل ہوا۔مرزا غالبؔ نے مشہور شاعر نظیر اکبر آبادی اور مولوی محمد معظم سے بھی چند کتب پڑھی تھیں۔مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

"مرزا غالبؔ نے آگرہ کے مشہور معلم خلیفہ محمد معظم سے تعلیم پائی۔فارسی سے طبیعت کو خاص مناسبت تھی اور اس پر توجّہ میں بھی کوئی دقیقہ سعی اُٹھانہ رکھا۔"2

مرزا غالبؔ کی عمر ابھی تیرہ برس کو پہنچی تھی کہ ہندوستانی رواج کے مطابق نواب الٰہی بخش معروف کی صاحبزادی اَمراؤ بیگم سے ان کی شادی کر دی گئی۔مرزا غالبؔ اس شادی کو لے کر خاصے حیوان ظریف واقع ہوئے ہیں۔ان کے خطوط اور اشعار میں بیگم امراؤ کے بارے میں دلچسپ واقعات اور لطائف ملتے ہیں۔ پنہاں تھا دام سخت قریب آشیاں کے/اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے۔ایک خط میں لکھتے ہیں:

"تیرہ برس میں ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دِلّی شہر کو زندان مقرر کیا اور فکر نظم و نثر کو مشقّت ٹھہرایا۔"3

مرزا غالبؔ کے لیے شادی سود مند ثابت ہوئی۔ان کے سسرال خاصے مرفہ الحال تھے اور دل و مزاج کے فیاض بھی۔نانا کی محبت اور والدہ کے لاڈ پیار نے انھیں بگاڑ دی اور 'مرزا نوشہ' کہلائے جانے لگے غالبؔ سسرال والوں کی فارغ البالی اور معاشی آسودگی کے پیش نظر آگرہ سے دِلّی میں مستقل مقیم ہو گئے جہاں ان کی زندگی کا دو تہائی حصہ گزرا۔زندگی کے جملہ روز و شب سے نبرد آزما رہے۔

1857ء کے غدر نے جہاں برصغیر کے طرزِ حیات کے جز و کل کو تباہ و برباد کر دیا وہاں غالبؔ پر غدر کے اثرات کا براہ راست اثر پڑا۔غالبؔ نے اس حادثے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس پر خوب اپنے غم وغصے اور دِلّی رنج و کلفت کا اِظہار بھی کیا۔غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت اِنتہائی قابل رحم ہو گئی تھی۔نفسا نفسی کے اس عالم میں جہاں کھانے کو سوکھا نوالہ میسّر نہ تھا وہاں غالبؔ کے ہاں بھائی کی اولاد،زوجہ سمیت بیسیوں آدمیوں کا بوجھ ان کے کمزور کندھوں پر آپڑا جسے خواہی نہ خواہی یہ کسی طرح نبھاتے رہے۔

ے ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے　　اک شمع ہے دلیل سحر سو خاموش ہے

مرزا غالبؔ کی بد قسمتی رہی کہ ان کے ہاں سات لگاتار بچے پیدا تو ضرور ہوئے لیکن سات ماہ سے زیادہ کوئی زندہ نہ رہا۔غالبؔ کو اپنی اُولاد کے زندہ نہ رہنے کا اِنتہائی قلق تھا جس کا تذکرہ انھوں نے نظم و نثر میں حزنیہ انداز سے کیا جسے پڑھ کر دل دُکھتا ہے اور غالبؔ سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔

اُولاد زندہ نہ رہنے کا غم بھانجے عارف کی ذمہ داری لینے کی صورت میں کم کرنا چاہا۔عارف کی جوانی کی موت اور بیوی بچوں کے مزید بوجھ نے غالبؔ کو بوڑھا کر ڈالا۔غالبؔ کی غزلیات کا مطالعہ کرنے سے اس دُکھ کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ے لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور　　تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

ے ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف　　کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

غدر کے واقعے نے غالبؔ کی زندگی کا دھارا اِنتہائی ناموافق حالات کی طرف موڑ دیا۔بعد از غدر غالبؔ کی آمدنی اور دیگر ذرائع سے حصولِ رزق کے تمام تر معاملات یکسر موقوف ہو جانے سے غالبؔ کی زندگی اجیرن ہو گئی۔اواخر عمر کے چند سال غالبؔ کی زندگی کے اِنتہائی کسمپرسی میں گزرے۔ان حالات کا ذِکر اشعار اور خطوطِ غالبؔ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ے دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں روئے گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

چچا نصر اللہ کی طرف سے ملنے والی پنشن ایک آخری سہارا تھی جس کی بندش ان کی زندگی کا ایک بڑا حادثہ ثابت ہوئی۔غالبؔ کی شخصیت و شاعری پر پنشن کی بندش اور بحالی کے پیش آمدہ واقعات کا گہرا اثر پڑا۔مالک رام لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"مرزا کو سرکار سے ساڑھے باسٹھ روپے پنشن کے ملتے تھے۔اس کے علاوہ دِیگر جگہوں سے فتوح بھی آجاتی تھی جس سے گھر کا اُجلا خرچ چلا سکتے تھے لیکن بدقسمتی سے غدر کے نتیجے میں ان کی پنشن بند ہوگئی اور دائیں بائیں کی دوسری فتوح بھی بند ہو گئیں۔"4

پنشن کی بحالی کے سلسلے میں غالبؔ کی شخصیت میں خاصا تضاد سامنے آتا ہے۔انگریز واقف کاروں اور نوابین کے رقعے لے کر انگریز سرکار میں پیش ہوتے ہیں اور ان کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ دراصل مشکلاتِ غالبؔ کا جائزہ لیا جائے تو ان کی خانگی زندگی، اُولاد کا زندہ نہ رہنا، پنشن کا بند ہونا، بیسیوں لوگوں کا گھر میں مفت نوالے توڑنا؛ ایسے واقعات ہیں جنھوں نے ایک طرف غالبؔ کے احوال کو دِگرگوں کیا اور دوسری جانب ان کی طبیعت میں سوز و گداز اور داخلیت کے عنصر کو مزید سَوا کر دیا۔ان عناصر کی فکر رَو نے غالبؔ کو غالبؔ بننے میں اہم کردار ادا کیا۔ غالبؔ لکھتے ہیں:

"ہِندوستان کے سُخنوروں میں حضرت امیر خُسروؒ کے سوا کوئی اُستاد مسلم الثبوت نہیں ہوا۔۔۔منت اور مکین اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجئے۔کلام میں ان کے مزا کہاں! ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟"5

شب و روز کی ناہمواری، دِلّی، کلکتہ و لکھنؤ کی آوارگی اور غدر کے سانحہ کی دُشواری نے غالبؔ کے قویٰ و حواس کو مُضمحل و ناتواں کر دیا۔خانگی مسائل، زمانے کے حالات اور توقع کے برعکس نزاعت نے غالبؔ کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا۔ اواخر عمر میں گھر ہی میں مقید ہو کر رہ گئے۔ چلنا پھرنا محال ہو گیا۔ صحت اور طاقت نے جواب دے دیا۔ صاحبِ فراش ہو کر رہے گئے۔رام پور سے وظیفے کی کوشش کسی حد تک کامیابی ہوئی البتہ عزیزوں، رفیق کاروں، شاگردوں اور دوستوں کی مالی مُعاونت سے کسی صورت گزارا ہوتا رہا۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ وہ عناصر میں اعتدال کہاں

غالبؔ نے عمر کا بیشتر حِصہ نوابی ٹھاٹھ سے گزارا تھا اواخر عمر میں کسمپرسی اور ناداری کے ہاتھوں شکستہ ہو کر گویا زندگی سے نااُمید سے ہو گئے تھے۔انا پرست اور خوددار اتنے تھے کہ اپنی مرضی اور خواہش کے بغیر ایک پیسہ کسی سے وصول نہ کیا۔خودداری اور حفظِ وضع کی اس عادت نے انھیں خاصا تنگ و خوار رکھا۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

شعر و سُخن سے دلچسپی اور تخلیق و تصنیف کا سلسلہ انتہائی نامساعد حالات اور تنگی و سختی میں بھی جاری رکھا۔اخیر عمر میں شُعراء البتہ کم کہتے تھے لیکن خطوط باقاعدہ لکھتے تھے۔شاگردوں کے مسودات پر اصلاح بھی گاہے گاہے دیا کرتے تھے۔قریبِ مرگ بینائی اور حواس سماعت نے جواب دے دیا۔ نزع کی شدت نے ایسا زور پکڑا کہ نیم بے ہوشی کی حالت میں گھنٹوں پڑے رہتے۔ان کے انتقال سے ایک روز پہلے کی حالت کا تذکرہ مولانا حالی نے یادگار غالبؔ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ایک شعر تسلسل سے ان کی زُبان پر مثلِ وِرد رہا تھا:

دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے

ڈاکٹر فخر الحق نوری وفاتِ غالبؔ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"انھوں (غالبؔ) نے پندرہ فروری ۱۸۶۹ء کو عالم آب و گِل میں ۷۲ سال تک روبکاری کے عمل سے گزارنے کے بعد اس کو جان دی، جس کی دی ہوئی تھی۔جسمانی سطح پر تو وہ وفات پا گئے مگر ان کی اَدبی زندگی، ابدی زندگی بن گئی۔"6

غالبؔ نے بہتر برس حیات پائی۔انھیں نظام الدین اولیا کے مزار کے نواح میں چونسٹھ کھمبے کے پاس نواب الٰہی بخش خان معروف کے احاطے میں دفن کیا گیا۔حکومت ہند نے مزار غالبؔ پر ایک خوبصورت مقبرہ بنوادیا ہے جو مرجع خلائق خاص و عام ہے۔

غالبؔ کی وفات پر برصغیر کے چہار اطراف میں غم و دُکھ کا اِظہار کیا گیا۔ حکومت انگلشیہ نے ان کی شخصیت و شاعری کی اَہمیت و وَقعت کا اعتراف کیا ۔شاعروں اَدیبوں نے قصیدوں، قِصّوں کے ذریعے کلام و شخصیت کا خوب تذکرہ کیا جو اَدبیاتِ اُردو میں غالبیات کا جزو خاص ہے۔مولانا حالی نے بہ حیثیت شاگرد اپنے جذبات کا اس طرح اِظہار کیا۔

لائیں گے پھر کہاں سے غالبؔ کو سوئے مدفن ابھی نہ لے جائیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ے غالِب نکتہ داں سے کیا نسبت خاک کو آسمان سے کیا نسبت

غاب یہ کہنے میں باق نہیں کہ مرزا غالِب ایک بڑے اور عظیم شاعر ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے ویسے ویسے ان کی شخصی بڑائی اور شاعرانہ عظمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ غالِب کی شخصیت بھی ان کی شاعری کی طرح رنگ رنگ زاویے اور کثیر الجہت وصائف لیے ہوئے ہے۔ مرُورِ وقت کے ساتھ شُعراء نقاد اور غالِب شناس مرزا کی شخصیت و شاعری کے اسرر ورموز اور شعری محاسن کی جُملہ صفات منکشف کرنے کا سِلسلَہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

غالِب کی شخصیت و فکر کے اعتبار سے سیکڑوں کتب و مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ اس کی بنیادی وَجہ یہ ہے کہ غالِب نے طویل شعُوری عمر پائی۔ بر صغیر کی تہذیبی و معاشرتی اور سیاسی و جغرافیائی حالات کو دیکھا؛ تاریخ واقوام اور رُجحانات و میلانات میں غیر معمولی بدلاؤ اور شکست وریخت کے انقلابی ہیجان آمیز واقِعات کو سَر کی آنکھ سے دیکھا اور قلب سے محسُوس کیا۔ غالِب نے جُملہ واقِعات و سانحات تجربے شاعری بنا دیا اور خطوط میں وہ سب لکھا جس سے ہر مکتبہ فکر نے رَوشنی لی اور خوب اِستِفادہ کیا۔

غالِب کی شخصیت اپنے اندر بے شمار وصائف رکھتی ہے جن کا ذِکر ان کے سَوانح نویس اور شارحین کے ہاں تفصیل سے ملتا ہے۔ مرزا کی وضَع داری اور حفظ مراتب کا احساس بہت نُمایاں ہے۔ انھوں نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا۔ جو شخص جس مرتبے، حیثیت سے ان کے ہاں حاضر ہوا۔ اس کی ویسی ہی خدمت اور عزِت کی گئی۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

> ”جو چیز مرزا کی زندگی میں خاص طور پر نُمایاں ہے۔ ان کی وضَع دَاری، حفظِ مراتب اور رَکھ رکھاؤ کی کوشش ہے۔ مرزا ایک شاعر اور آزادہ رواِنسان تھے لیکن وہ طبقہ اَمرا کے ترجمان بھی تھے اور عام جمہوری مَعاشرت کی بے آئینی اور یکسانیت شاید ہی انہیں پسند خاطر ہوتی۔“7

غالِب کی شخصیت کے حوالے سے ان کے سَوانح نگاروں کے ہاں مختلف آراء ملتی ہیں۔ غالِب بہت بڑا خود دار تھا۔ رئیسانہ آن بان اور آباؤاجداد پر فخر و ناز کرنے والا۔ یہ تاثر کسی حد تک درست ہے کہ غالِب کو اپنے نسب و خاندان پر ناز تھا جس کا اِظہار انھوں نے شاعری اور خطوط میں برابر کیا ہے۔

ے سو پُشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعہ عزِت نہیں مجھے

سَیّد عابِد علی عابِد لکھتے ہیں:

> ”جوں جوں (غالِب کی) عقیدت بڑھتی چلی گئی اور حالی نے اس کی مروَت، فراخ حوصلگی، شعر فہمی۔۔۔راست گفتاری کی عقیدت مندانہ تصویر کشی کی، توں توں ہمارے سامنے ایک جعلی غالِب آنے لگا جسے خوشامد سے نفرت تھی اور جسے اپنے متاعِ سُخَن پر اِتنا غرور تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔“8

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالِب کا کلام فکر و خیال کی بلَندی کو چھو رہا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ غالِب کو ان کی خواہش کے تئیں وہ عزِت اور شُہرَت نہ مل سکی جن کی انھیں توقع تھی۔ اس کے باوَجود غالِب کے عقیدت مندوں میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ شامل رہے۔

ے ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اِتراتا وگرنہ شہر میں غالِب کی آبرو کیا ہے

غالِب نے عُسرت و تنگی کا تذِکرہ بڑے مزے لے کر بیان کیا ہے۔ اگرچہ ان کے ہم عصر شُعراء بھی انھیں حالات کا شکار رہے مگر ان کے سَوانح نویسوں اور تذِکرہ نگاروں نے ان کی خودداری، حفظِ مراتب اور اعلیٰ ظرفی کے واقِعات کو نسبتاً کم بیان کیا ہے۔ اس سے ثابِت ہوتا ہے کہ غالِب میں بڑے سے بڑا صدمہ سہنے اور سنگین حالات کے باجود زندگی سے نباہ کا حوصلہ تھا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ”قلندَری وازادگی اور ایثار و کرم کے جو داعی میرے مالک نے مجھے بھر بھر کے دیے بقدر یک ہزار ظہور میں نہ آئے۔ نہ وہ دست گاہ کہ عالمِ میزُبان بن جاؤں۔ اگر تمام عالم نہ ہو سکے نہ سہی۔ جس شہر میں رہوں، اس شہر میں تو بھوکا ننگا نظر نہ آئے۔“9

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

غالبؔ کی رواداری اور وسیع المشربی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ان کی شاعرانہ فکر اور عملی زندگی کا مظاہرہ دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ان کے ہم منصب داروں، عزیزوں، رفیق کاروں کے علاوہ ہر ذات، رنگ، نسل اور برادری کے لوگوں سے روابط تھے۔مذہبی تعصب ان میں نام کو نہ تھا۔ان کے رفیق اور شاگرد بھی غالبؔ کی رواداری کے قائل تھے۔

؎ وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے　　مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

غالبؔ کی شخصیت اپنے اندر کثیر الجہتی پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔غالبؔ ایک عہد میں پیدا ہوئے جہاں تہذیبوں کی کشمش اور عسکری طاقتوں کی یلغار برسرِ پیکار تھی۔آنے والا کل؛ موت و حیات، آغاز و انجام کا مظہر تھا۔شکست و ریخت کے اس ماحول میں غالبؔ نے شعور کی فکری آنکھ سے دیکھا اور نظم و نثر میں رقم کیا۔

؎ تمہارے در سے اُٹھائے گئے ملال نہیں　　وہاں تو چھوڑ کے آئے ہیں ہم غبار اپنا

غالبؔ کی شخصیت میں اعترافِ ذات کا عنصر بہت نُمایاں تھا۔کم دِلّی، منافقت اور ریاکاری ایسے اخلاقِ رذائل کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ان کے اشعار اور خطوط میں اعترافِ گناہ اور عصیاں گری کا ذکر جس انداز میں ملتا ہے؛ لائقِ تحسین ہے۔

غالبؔ اوائل جوانی میں 'مرزا نوشہ' کے لقب سے معروف ہوئے۔شراب نوشی، فِسق و فجور، آوارگی و آزارہ روی میں عمر کا بیشتر حِصہ گزارا۔نماز، روزہ وغیرہ سے کوسوں دور رہے۔یہ اور اس طرح کی دِیگر قباحتوں کا اعتراف جس طرح غالبؔ نے کیا۔اپنے انجام اور نعش کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔اس رویے کی توقع کسی اور انسان سے کرنا مشکل امر ہے۔

؎ گو ہاتھ کو جُنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے　　رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ”ساری عمر فسق و فجور میں گزری نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا نہ کوئی نیک کام کیا۔زندگی کے چند انفاس باقی رہ گئے ہیں۔اب اگر چند روز بیٹھ کر یا اِیما و اشارے سے نماز پڑھی تو اس سے ساری عمر کے گناہوں کی تلافی کیوں کر ہو سکے گی؟ میں تو اس قابل ہوں کہ جب مروں؛ میرے عزیز اور دوست میرا منہ کالا کریں اور میرے پاؤں میں رسی باندھ کر شہر کے تمام گلی کوچوں میں تشہیر کریں اور باہر لے کر جا کر کتوں اور چیلوں کے کھانے کو چھوڑ آئیں۔اگرچہ میرے گناہ ہی ایسے ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بد تر سلوک کیا جائے لیکن اس میں شک نہیں کہ میں موحّد ہوں۔“ 10؎

غالبؔ کی اَنانیت اور نرگسیت جہاں حد درجہ بڑھی ہوئی محسوس ہوتی ہے وہاں ان کی خودداری اور عظمتِ اِنسان کا تاثر اس سے زیادہ نُمایاں اور معتبر دِکھائی دیتا ہے۔غالبؔ ایک وضع دار اور خوددار شخصیت کے مالک تھے۔ان کی غیرت و حمیت کو کہکشاں کی سی وُسعت مُیسّر ہے۔زندگی کے جُملہ مباحث و اَطوار میں ان کے یکساں طرزِ عمل سے ان کی شخصیت کے ان وصائف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

؎ بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے　　ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

غالبؔ کی شخصیت میں ظریفانہ عُنصر کا دَخیل ہے۔غالبؔ کی یہ خوبی ان کی دیگر صفات سے بڑھی ہوئی ہے۔غالبؔ نے جس دور اور عہد میں زندگی گزاری۔یہ ہر طرح سے آشوب و آلام کا دور تھا۔جہاں سکون و طمانیت نام کو نہ تھا۔غالبؔ نے آلامِ دُنیوی، عسکری جبر اور سختی اغیار کو برسوں قلب و رُوح پر سہا۔اسے ظریفانہ لکھا اور کہیں اِستہزائیہ اُڑایا۔

؎ خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو　　ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

> ”تاریک سے تاریک موقعوں پر بھی ان (غالبؔ) کی ظرافت اور لطافت کی بجلی چمک جاتی ہے؛ جس سے مصائب کی تیرگی کافور ہو جاتی ہے۔ان کی ظرافت و مذاق سے کوئی نہیں چھوٹا حتیٰ کہ بیوی کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں کہ: ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے، نہ پھندا ٹوٹتا ہے نہ دم نکلتا ہے۔“ 11؎

ایک حاذق اور عاقل اِنسان ہونے کی حیثیت سے غاؔلب کی شخصیت کا جائزہ بہت کم لیا گیا ہے۔ غاؔلب ایک ذہین اور عاقل یعنی عقلیت فہم اِنسان تھے۔ ان کے بچپن اور اَوائل جوانی کے کلام اور حرکات کا مشاہدہ کرنے اور اس کا نفسیاتی جائزہ لینے سے یہ معلوم ہوا۔

غاؔلب کو غاؔلب بنانے میں ان کی فطری ذہانت وجودت اور ودیعتی عقلیت کا عُنصر بہت نُمایاں ہے۔ اُردُو شَاعری میں جس طرح کا فکرو فلسفہ غاؔلب کے ہاں نظر آتا ہے بہت بعد کو اقبالؔ، فیضؔ، ناصرؔ اور جونؔ کے ہاں اس کی بازگشت سُنائی دیتی ہے۔

؎ تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا　　　مرنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

غاؔلب باریک سے باریک نکتے کو شعر کی زُبان میں بیان کرتے ہیں تو اسے لافانی بنا دیتے ہیں۔ یوں محسُوس ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت؛ شَاعری، فکر اور فلسفے کی مثلث سے تخلیق کی گئی ہے۔

غاؔلب کی شخصیت اور زندگی کا عرصہ حیات ایک ڈرامائی اِرتقاء کی حیثیت رکھتا ہے۔ دُنیائے شعر واَدَب میں غاؔلب ایک شاعر، فلسفی اور نکتہ سنج بذلہ گو اِنسان تھے۔ غاؔلب کی شَاعری کا خمیر تخیّلی فکر کی پرتو ہے۔

؎ ہے پَرے سرحد افلاک سے اپنا مَسجود　　　قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

غاؔلب نے ستر برس عمر پائی۔ ان کا زمانہ حیات مسلمان ہند کے سیاسی زوال کا زمانہ تھا۔ تنزُل کے اس دور میں مغلوں کی انحطاط، انگریزوں کی آمد، اِیرَانی حملہ آوروں کی یلغاروں نے ہر چیز کو نیست و نابود کرنے میں کوئی کَسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔

ہندستانی تہذیب و تمدن کا نمونہ غاؔلب کی شخصیت و شَاعری کی صورت رہا تا آنکہ ۱۸۶۹ء کو یہ چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوا لیکن نَثر و نَظم میں بقا کی دائمی حیات کو اپنے نصیبے میں رقم کر گیا؛ جس سے دُنیا ہنُوز فیض لے رہی ہے اور لیتی رہے گی۔

؎ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا　　　ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
مُدّت ہوئی مر گیا غاؔلب پر یاد آتا ہے　　　وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

مرزا غالبؔ بلاشبہ ایک قد آور اور دیو پیکر شاعر ہے جس کی شاعری اپنے اندر بے پناہ فکری و فنی اور لسانی محاسن کا گنج ہائے گراں مایہ لیے ہوئے ہے۔ غالبؔ کی شاعری کا مطالعہ اپنے اندر ارتعاش سی کیفیت رکھتا ہے کہ جو ایک بار انھیں پڑھ لیتا ہے؛ تا حیات ان کے اثر سے باہر نہیں نکلتا۔ غالبؔ کو اظہار و ابلاغ میں جو قدرت اور دسترس حاصل ہے وہ جہاں ان کے اُسلوب کی سب سے نمایاں خوبی ہے وہاں کلام نظم و نثر کی خوبصورتی اور دل آویزی کا بھی مظہر ہے۔

غالبؔ کی شاعری کے فکر و فن کا جائزہ لیا جائے تو بادی النظر میں جس چیز کی طرف سب سے پہلے نظر جاتی ہے وہ ان کی جدت طرازی ہے جس سے انھوں نے بھرپور کام لیا اور نظم و نثر میں تخلیقی لائق نظیر شاہکار تخلیق کیے۔

مرزا غالبؔ کی شاعری کی بنیاد ان کی جدت طرازی پر قائم ہے جس میں جدت تخیل، جدت طرز ادا، جدت تشبیہات و استعارات اور محاکات کی جدتیں شامل ہیں۔ معمولی اور عام فہم واقعات و تصورات کو غالبؔ نے جس طرز خاص سے جدت عطا کی ہے وہ انھیں کا خاصہ ہے۔

معمولی سے معمولی واقعات ایک ایسے اُسلوب میں بیان کر جاتے ہیں کہ گویا اس سے پہلے کبھی سنے ہی نہ تھے۔ خیالات کے ادا کرنے کا سلیقہ بھی نیا اور جدید ہوتا ہے کہ معمولی اور پامال و مسترد مضمون میں محاکاتی اور تمثیلی لے کی آمیزش سے ایسا رنگ بھرتے ہیں کہ مضمون آنکھوں کے سامنے محو رقص دکھائی دینے لگتا ہے۔ مولانا حالیؔ لکھتے ہیں:

> ''غالبؔ کی جدت پسندی کا اظہار، تراکیب تراشی سے لے کر قصائد تک ہر موقع پر ہوتا ہے۔۔۔ غالبؔ کی شخصیت یک رنگ نہ تھی؛ اس لیے اس کا تخلیقی شعور بھی ہمہ رنگ ہے؛ حتیٰ کہ قصائد جیسی پُر تصنع اور آورد والی صنف بھی اس کے ہاتھوں روایتی شان و شوکت اور گھن گرج سے سنورتی ہے''۔12۔

غالبؔ کو زبان و بیان پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ان کے ہاں جو بھی مضمون آیا ہے وہ متقدمین کی طرح کا نہیں ہے بلکہ اس میں غالبؔ کے فکر اور فلسفہ کی بازگشت معلوم ہوتی ہے۔ غالبؔ اپنے کلام میں ایک خاص طرح کی جدت اور نیا پن لے آتا ہے۔ مضمون خواہ کتنا ہی فرسودہ اور پامال کیوں نہ ہو؛ غالبؔ کے ہاں آکر اس کا رنگ ڈھنگ اور وضع قطع میں اس قدر بدلاؤ آجاتا ہے کہ اس کی آب بان دیکھنے والی اور متاثر کن ہو جاتی ہے۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

''غالبؔ کے قصرِ شاعری کی بنیاد جدت طرازی پر ہے۔ مرزا صاحب کے یہاں بخلاف ان کے تک بندی اور قافیہ پیمائی نہیں بلکہ خیال آفرینی ہے۔'' 13۔

غالبؔ کی یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ انھوں نے شاعری میں فارسی زبان کے اثرات کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کا استعمال بھی بڑے جارحانہ انداز میں کیا جس پر ان کی بڑی لے دے ہوئی مگر انھوں نے اپنی روش سے اغماض ایک زمانے تک نہیں برتا اور فارسی زبان و بیان کے تمام تر اسالیب اور بیان و بدیع کے تلازمات کو شاعری میں خوب استعمال کیا جو ان کی فکر سے بعض اوقات متصادم اور بہت زیادہ موزوں نہ رہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''لسانی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو غالبؔ ان لوگوں میں بھی ممتاز ہیں جنھوں نے شعوری و لاشعوری طور پر حسن ضرورت ایک نئی زبان بنائی جو روایتی شاعری کو پسند کرنے والوں کی سمجھ سے بالا تھی۔ غالبؔ نے اس کی بنیاد فارسی پر رکھی اور یہی وہ اظہار بیان ہے جسے اقبال نے اختیار اور جس سے اُردو زبان کے دوسرے جدید شعرا نے بھی استفادہ کیا۔ غالبؔ جیسے جیسے تخلیقی عمل سے گزرے، اُردو زبان کے مزاج اور اس کی خصوصیات کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا بلکہ اردو زبان کے اظہار میں مردانہ پن اور پختگی پیدا کی۔ انھوں نے زبان کے بندے ٹکے اصولوں سے انحراف کر کے اُردو زبان کو ایک نئے اعلیٰ معیار پر لا کھڑا کیا اور آج ان کی زبان و بیان کی غلطیاں خود اصول بن کر رائج و مستند ہو گئی ہیں۔'' 14۔

مرزا غالبؔ کے کلام میں پہلوداری اور تہ داری کا جو التزام کیا گیا ہے وہ بہت نرالا اور انوکھا ہے۔ غالبؔ کی شاعری میں معنی کی مختلف سطحیں ہیں۔ ایک شعر کو مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے جیسے معنی کا ایک جہان اس کے باطن میں سمو دیا ہے۔ بادی النظر میں ایک عام فہم شعر کے باطن میں اُتر کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ نے اپنے خاص اُسلوب اور لسانیاتی تموج کے وسیلے سے اسے غیر معمولی بنا دیا ہے۔ پروفیسر اُسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''غالبؔ کے ہاں ایسے اشعار بہت سے ہیں جن کی تفہیم شیکسپیئر کی عظیم ڈرامائی شاعری کی طرح کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کلام غالبؔ میں اس پہلوداری اور معانی کی تہ داری نے ایک رنگا رنگی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ غالبؔ کے کسی ایک شعر کو موڈ میں دیکھیں تو ایک انداز ہوگا مگر دوسرے انداز میں دیکھیں تو دُنیا ہی بدلی ہوئی محسوس ہوگی۔'' 15۔

مرزا غالبؔ اپنی عصری شعری روایت سے نہ پوری طرح باغی ہیں اور نہ مکمل طور پر اس کے مقلد ہیں بلکہ انھوں نے ہمیشہ اپنا ایک جداگانہ اُسلوب وضع کیا ہے جس کے یہ موجد اور خاتم رہے ہیں۔ پروفیسر اُسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''غالبؔ کو بنیادی طور پر ہئیت یا اُسلوب پرست کی بجائے موادپرست کہا جا سکتا ہے۔ وہ الفاظ و اُسلوب کو بھی شعر کی خوبی و بقا کے لیے ضروری سمجھتے ہیں لیکن ان کا ذہن شعر کی معنویت اور خیال اور نُدرت کی طرف بار بار بھاگتا ہے۔ انھیں شعر کی معنویت عزیز ہے۔'' 16۔

مرزا غالبؔ کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت ان کا منطقی استدالی انداز بیان ہے۔ غالبؔ کے یہاں عشقیہ جذبات معمول سے بیان ہوتے ہیں گرچہ ان میں کیسی ہی ساخت شعر کی دُشواری حائل ہو؛ اس کے برعکس ان کی تشکیل اور اظہار کی روش میں استدلالی انداز بیان کا عنصر زیادہ گہرا اور دیرپا تاثر رکھنے والا محسوس ہوتا ہے۔ محبت ان کے لیے کوئی ایسا جذبہ نہیں ہے جو فطری طور پر انتہائی پُر کشش ہو بلکہ محاکاتی رنگ میں اس کو غالبؔ کے ہاں پُر کشش ترین بنتا دیکھا جا سکتا ہے۔ بطور نمونہ یہ اشعار دیکھیں:

ے احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے — زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

ے رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا

جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

غالبؔ کا شاعرانہ تجربہ اور عمل، ان کے ہم عصر شعرا سے انتہائی مختلف ہے۔ غالبؔ محاکات سے تمثیلی نقش بناتے ہیں اور جو لفظی تصویریں تراشتے ہیں ان میں معانی کا ایک جہان آباد ہوتا ہے جبکہ بہت کم شعرا کے ہاں لفظی تصویر کشی میں معنویت کا متاثر کن ہونا شاذ ہی دیکھا گیا ہے۔

غالبؔ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اور جس معاشرت میں تربیت ہوئی وہ اس بات کا تقاضا کرتا تھا کہ زبان و بیان اور خیال و مواد کے درمیان ہم آہنگی کی فضا کس طرح پیدا کی جا سکتی ہے کہ موضوع اور الفاظ کی مناسبت اور ادائیگی اظہار کا آپس میں چولی دامن ایسا ساتھ معنویت کے حُسن کو دمکا دے۔

؎ بسکہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا   آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

؎ خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار   کیا پوجتا ہوں اس بتِ داد گر کو میں

مرزا غالبؔ کے لب و لہجے سے بات کی جائے تو ان کے ہاں استفہامیہ لب و لہجے کا جو تنوع ملتا ہے وہ یوں سمجھئے کہ غالبؔ کی شاعری اور ان کی شخصیت کا اختصاصی وصف ہے۔ غالبؔ پہلے شاعر ہیں جن کے ہاں یہ حوصلہ اور ہمت پائی گئی ہے کہ کلمات استفہام کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو بیان کر سکیں اور اپنے جذبات و احساسات کے لیے کلماتِ استفہام کو بطور ہتھیار استعمال میں لا سکیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ''غالبؔ کے اُسلوبِ شاعرانہ میں جو چیز بہت نمایاں ہے؛ وہ ان کا سوالیہ یا استفہامیہ لب و لہجہ ہے۔ اس لب و لہجہ سے ان کی جدت طرازی، مشکل پسندی اور فلسفیانہ طرف فکر، تینوں چیزوں کا سراغ ملتا ہے۔ کلمات استفہام کے استعمال سے جیسا فائدہ شاعری میں انھوں نے اُٹھایا ہے کسی دوسرے شاعر نے نہیں اُٹھایا۔ صرف غالبؔ ہی اُردو کے ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے کلمات استفہام کی گہرائیوں اور لطافتوں کو شدت سے محسوس کیا اور استفہامیہ لب و لہجے کی تخلیق میں پورا زور صرف کیا۔ مرزا کے اُسلوب بیان کی جدت کا ایک راز اسی لب و لہجے میں پوشیدہ ہے۔'' 17

غالبؔ کے ہاں مزاح اور طنز کا سطحی مزاج نہیں ملتا بلکہ ایک سنجیدہ اور میچور قسم کا مزاح اور طنز کی چاشنی نظر آتی ہے۔ غالبؔ نے جن تصورات و مشاہدات اور مذہبی و معاشرتی نظریات پر چوٹ کی ہے وہ بظاہر حد سے متجاوز اور بہت دور نکل جانے کی بات ہے لیکن ان کے اظہار بیان کا سلیقہ اتنا عمدہ ہے کہ بات ناگوار اور تلخ و ترش ہونے کے باوجود شیریں و لطیف ہو کر من کو موہ لیتی ہے۔ بطور نمونہ یہ اشعار دیکھیں:

؎ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن   دل کے خوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے

؎ کیا وہ نمرود کی خدائی تھی   بندگی میں بھی مرا بھلا نہ ہوا

؎ واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو   کیا بات ہے تمھاری شرابِ طہور کی

کلام غالبؔ میں صوتی آہنگ اور موسیقی کا فنکارانہ نظام ملتا ہے۔ غالبؔ کو الفاظ کے استعمال پر جس طرح کی قدرت اور مہارت حاصل ہے اُس سے غالبؔ شناس اور قارئین بخوبی واقف ہیں۔ لفظوں کے مزاج کو پہنچانے اور ان کے استعمال کے سلیقے سے آگاہی جس قدر غالبؔ کے ہاں پائی جاتی ہے، شاذ ہی کسی اور شاعر کے ہاں اتنی روانی اور تسلسل سے دکھائی دے۔ الفاظ کی صوتی ترتیب سے معنی میں موسیقی و ترنم کا آہنگ پیدا کر لینا کوئی آسان کام ہے۔ انتخاب الفاظ کی فنکاری میں انھیں اجتہاد کا درجہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''غالبؔ نے زبانِ شعر میں قابل قدر اضافے کیے ہیں۔ ان کی زبان محدود نہیں؛ وہ اپنے تجربے کے مکمل ابلاغ کے لیے الفاظ کا انتخاب بڑی فنکارانہ چابک دستی کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کی زبان میں زندگی کی وسعت اور کشادگی ملتی ہے۔ ان کے ہاں زبان الفاظ کے متحرک اور زندہ مجموعے کا نام ہے۔'' 18

غالبؔ کے ہاں الفاظ کے انتخاب کا سلیقہ اپنی انفرادیت لیے ہوئے ہے۔ ان کی شاعری کا حاصلِ کل انتخاب الفاظ ہی ہے اور الفاظ بھی ایسے کہ جن میں موسیقی کا دل آویز صوتی آہنگ موجود ہو جسے ترتیب دے کر نغمگی کا تاثر دینے کی بھرپور کوشش غالبؔ کے ہاں کامیابی سے نظر آتی ہے۔

مرزا غالبؔ کے کلام میں تشبیہات کا استعمال بطور خاص ملتا ہے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری میں تشبیہ اور استعارہ کے بغیر محض تخیل کے زور سے مضمون میں جان پیدا نہیں کی جا سکتی۔ غالبؔ نے تشبیہ کے معاملے میں اعتدال اور فطری رچاؤ کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے تصورات و

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

احساسات کو معنی آفرینی اور نکتہ آفرینی سے ملفوف کر کے اسطرح بیان کیا ہے کہ مضمون بھی اچھوتا اور دل آویز ہو گیا ہے اور تشبیہ و استعارہ کی اُٹھان بھی فصاحت کے معیار کو چھو رہی ہوتی ہے۔ بطور نمونہ یہ اشعار دیکھیں:

ـ جیسے گر جائے دمِ تحریر کاغذ پر — مری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ہجراں کی

ـ دیوانگی سے دوش پہ زنّار بھی نہیں — یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

غالب ؔ کو زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی اور عربی و فارسی کے مسلم الثبوت اُستاد ہونے اور ہر قسم کے علم سے واقفیت اور حالات کی ناسازگاری نے ان کے کلام اور خیالات و افکار میں پختگی اور سنجیدگی کا عنصر کچھ زیادہ مستحکم و اثر پذیر کر دیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری لکھتے ہیں:

"کون سا نغمہ ہے جو اس زندگی کے تاروں میں بیدار یا خوابیدہ موجود نہیں۔۔۔ غالب ؔ نے بزم ہستی میں جو فانوس خیال روشن کیا ہے؛ کون سا پیکرِ تصویر ہے جو اس کے کاغذی پیرہن پر منازل زیست قطع کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔" 19

عظیم شاعر کا اختصاص یہ ہوتا ہے کہ اس کے فکر و فن سے ہر مکتبہ فکر کے لوگ حظ اُٹھاتے ہیں اور نظری و فکری اعتبار سے روشنی لیتے ہیں۔ کلام غالب ؔ میں جدت و ندرت کا یہ رنگ و آہنگ ہر کسی کو متاثر کرتا ہے اور توجہ مبذول کروانے میں ہمیشہ سے کامیاب رہا ہے کہ خون جگر میں نمود کی کشش اور شعلہ و شبنم کی تابانی کا اظہار اس کے لافانی ہونے کا حوالہ ہے۔

غالب ؔ نے تراکیب کا بھی ایک جہاں اپنے کلام میں بسایا ہے۔ ان کے اشعار میں فارسی کی روایتی تراکیب کے علاوہ ان کی اپنی وضع کردہ تراکیب کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ غالب ؔ کو تراکیب سے کام لینے کا ہنر خوب آتا تھا جہاں بھی انھوں نے ضروری سمجھا وہاں متعین لفظ کے متبادل کے طور پر تراکیب کا استعمال کیا اور نہایت خوبی اور آراستگی کے ساتھ کیا کہ جیسے نگینے کو انگوٹھی کے قالب میں جڑ دیا جائے کہ دونوں کی انفرادی معمولی حیثیت یکجا ہو کر بے مثال ہو جائے۔

ـ ترے جواہر طرف کلمہ کو کیا دیکھیں — ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

ـ کاوکاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ — صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

غالب ؔ نے اپنی فنی و لسانی پختگی اور اُستادی کا دعوی اکثر کیا ہے اور ان کا وہ مشہور شعر کہ جس میں انھوں نے میر ؔ پر اُستاد ہونے کی پھبتی کسی ہے؛ اُسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب ؔ واقعتاً ایک بے مثل اُستاد ہیں جن کے ہر ہر لفظ پر تحقیق ہو چکی ہے اور ان کے کلام نظم و نثر کو مجموعی طور پر سند فضیلت دی جا چکی ہے۔ اپنے اس کارہائے نمایاں اور اُستادی فن کا اعتراف شاعرانہ تعلی میں غالب ؔ نے خود کیا ہے۔

ـ گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے — جو لفظ کہ غالب ؔ میرے اشعار میں آوے

غدر کے بعد کی صورتحال اور ابتدائی دور کے کلام کو دیکھا جائے تو غالب ؔ قدرے سہل، رواں اور عام فہم زبان استعمال کرتے ہیں۔ دراصل مشکل پسندی کے بے معنی ہونے کا احساس غالب ؔ کی شیفتہ، مولوی فضل الحق اور مرزا خانی کوتوال کی صحبتوں اور محافل میں ہونے والی روزمرہ کی گفتگو اور فارسی ادبیات کا گہرائی سے مطالعہ اور اپنی انانیت کا سر چڑھ کے بولتا خمار شامل تھا جس سے دست بردار ہونا غالب ؔ کے لیے آسان نہ تھا

نفسیاتی اعتبار سے دیکھیں تو غالب ؔ کی شخصیت میں کئی ایک پیچیدگیاں ہیں جو ان کی اپنی نفسی سرگزشت معلوم ہوتی ہیں۔ ابتدائی عمر سے رنگ بیدل کی تقلید اور نت نئے معانی و دور از کار تراکیب سے شعر کی زبان کو مفرس بنا کر اپنے حلقہ احباب کا متاثر کرنے کا رجحان ان کی مشکل پسندی کے پس منظر میں کارفرما عناصر کا پتہ دیتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب ؔ کی شاعرانہ فکر ان کے ہم عصر شعرا سے کہیں زیادہ تموج اور بالائی حسّیت کو جھنجھوڑنے والی ہے۔ غالب ؔ ایک شاعر ایک فلسفی زیادہ ہیں۔ ان کے کلام نظم و نثر کا سرسری مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ گل و بلبل کا نغمہ الاپنے والا شاعر نہیں ہے جو فراق و وصال کے سطحی جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے بلکہ غالب ؔ کے ہاں کل جہاں کے مسائل و معاملات اور فکر و فلسفہ دکھائی دیتا ہے۔

ان کے اشعار حقائق فلسفہ کو نہایت آسانی اور سادگی سے بیان کر دیتے ہیں۔

ـ ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود — قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

ـ طاقت میں تار ہے نہ مے وانگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

غالبؔ نے فلسفیانہ مضامین کی ادائیگی کے لیے رمز وایمایت کے رجحان کو مزید آگے بڑھایا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ غزل کے مزاج سے ان کی شناسائی بہ نسبت دیگر اصناف کے زیادہ تھی اوراس کے فنی ورموزی عناصر سے ان کی ایک فطری دلچسپی بھی تھی جس نے انھیں غزل میں اپنی تمام تر فکر وفلسفہ کے حامل خیالات وجذبات اوراحساسات رقم کرنے کاراستہ فراہم کیا۔رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

"مرزاایک بہت بڑے فلسفی ہیں اور ان کے اکثر اشعار حقائق فلسفہ کو نہایت آسانی اور سادگی سے ظاہر کرتے ہیں۔ان کے یہ خیال زبانی نہ تھے بلکہ وہ ان پر پوری طرح عامل تھے۔ان کی زندگی مذہبی رواداری اور آزادہ روی کی ایک درخشاں مثال تھی۔" 20ؔ

غالبؔ نے سرسید کی کتاب آثار صنادید کی تقریز لکھنے پہ اعتراض اُٹھادیا تھا کہ فرہنگ سٹیم انجن ایجاد کر چکا ہے اور آپ ابھی تک ماضی کی کھوج میں اپنا وقت ضایع کررہے ہیں۔غالبؔ کی وسیع وبلیغ نظر صرف ہندوستان کے مسائل وموضوعات پر نہیں تھی بلکہ ان کی فکر کا دائرہ ایشا سے باہر کے افلاک تک پھیلا ہوا تھا جو ان کو حقیقت میں بڑا ذہن اور بڑا شاعر اور فلسفی شاعر بنانے میں اہم کردار ادا کررہا تھا۔

ے سبزہ وگل کہاں سے آئے ہیں	ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
ے ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی	کچھ ہماری خبر نہیں آتی
ے ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال	ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

غالبؔ کے ہاں جہاں زمانے کے مصائب اور تلخ وترش حادثات کا بیان ملتا ہے وہاں ان کے ذاتی غم اور رنج ومحن کا گلہ بھی نظر آتا ہے جو ان کے اشعار کے پس پردہ بظاہر کسی اور رنگ میں موجود ہے لیکن غور کیا جائے تو بلواسطہ غالبؔ نے اپنی ذات سے جڑے مسائل وکیفیات کارونا رویا ہے۔ان کے قہقہوں میں غم وآلام کی ہوک مدھم مگر شدت غضب کی ہوتی ہے۔

ے غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج	شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

مرزا کے اشعار میں خود انھیں کے آلام ومصائب کے نقشے نظر آتے ہیں۔ان کے اشعار پڑھ کر رنج وغم کی رفعت اور مصیبت کی عظمت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

"غالبؔ کی حساس طبیعت نے انھیں جذبہ رشک سے قدم قدم پر دوچار کیا ہے اس کے باوجود غالبؔ کی اپنی گہری قوت، برداشت، صبر وتحمل، شگفتگی، عالی ظریفی، وسیع القلبی اور لبرل رویے کی بدولت اس جذبے کو نہایت شریف اور ارفع جذبہ بنا کر پیش کرتے ہیں اور یہی ان کا کارنامہ ہے۔" 21ؔ

غالبؔ کی شخصیت وشاعری میں جو وصف شعری عنصر سے زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے وہ ان کی روایت شکنی ہے۔انھوں نے دوسروں سے الگ راہ اختیار کی اور روایتی اُسلوب وضوابط سے کنارہ کشی اختیار کی۔نظم میں نثر میں ان کی روایت شکنی کے برعکس روایت موجدی اور رواج پذیری کی صلاحیت اور رجحان کو قدرے ستائش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

مرزا کے دیوان پر نظر ڈالیں تو قدم قدم پر یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کے ہاں ہر چیز میں تشکیک کے ساتھ تجسیم کاری کا عنصر غالبؔ ہے گویا غالبؔ کسی بھی چیز کو اس کی موجودہ حالت کے ساتھ قبول کرنے سے انکاری ہے اور اس میں جدت واختراع کے عمل کو رواج دینے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔یوں کہہ لیجئے کہ غالبؔ نے چبائے ہوئے نوالوں کو پھر سے چبانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے لیے نئے نوالے بنائے ہیں اور انھیں چبانے کے لیے دوسروں تک بھی پہنچایا ہے۔روایت شکنی اور اختراعی طبیعت کے حامل اس شاعر کو شاعرِ بے نوا اور کج کلاں اور شاعر مکمل اسی لیے کہا جاتا ہے۔

ے ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے	کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور
ے لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لاگ	جب نہ ہو کچھ بھی تو دُھوکا کھائیں کیا

حرف و سخن HARF-O-SUKHAN Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

غالبؔ کی شاعری میں دُنیادی داری کے ساتھ دین داری اور دین داری کے ساتھ متصوفانہ موضوعات کا بھی ایک سلسلہ موجود ہے۔ اُردو شاعری کی روایت میں تصوف ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے ہمیشہ شعرا کا پسندیدہ رہا ہے اور ہر دور میں شعرا نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے اور اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔

غالبؔ نے نظریہ وحدت الوجود کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور اپنے کلام میں جابجا اس تاثر کا اظہار کیا ہے کہ دُنیا میں رب تعالیٰ کی موجودگی اس کی صفات کی تجسیم کی صورت دکھائی دیتی ہے اور دراصل قدرت حق ہر چیز میں کہیں عیاں اور کہیں پنہاں کہیں ظاہر اور کہیں باطن میں محو آرائش و سر گرداں ہے۔

ے ہر چند ہر اک شے میں تو ہے پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

ے اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

کلاسیکی اُردو غزلیہ شاعری کی روایت میں قلی قطب شاہ سے لے کر غالبؔ تک ہم اگر حسن و عشق کے معاملات اور سحر کاریوں کی جلوہ سامانیوں کا جائزہ لیں تو ہمیں ایسے ایسے رنگ ہا رنگ کے اشعار اور بوقلمونیوں کے حامل شہ پارے دکھائی دیتے ہیں کہ شعر میں دل اور دل میں شعر کی کیفیت کو باہم مدغم کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر غالب احمد لکھتے ہیں:

''اُردو شاعری میں عشق اور حسن کا قصہ دونوں دروں بنی کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے طفیل عشق دماغ کا خلل قرار دیا گیا اور حسن کو نظر کا دھوکا سمجھا گیا۔ یعنی نہ ہمیں اپنے جذباتِ حقیقی نظر آئے اور نہ ہی ہمیں اپنے تخیل میں اُچھلتی کودتی ہوئی رواں دواں حرارت محسوس ہوئی؛ اس کے باوجود عشقیہ شاعری بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر بہت کچھ رکھتی ہے۔'' 22ؔ

غالبؔ کا تصور حسن و عشق بھی غالبؔ کی شخصیت کا نمایاں اعجاز اور ان کی شاعری کا امتیازی رجحان ساز جذبہ ہے جس کے بیان میں خارجی زاویہ ہی نظر نہیں آتا بلکہ مشاہدات و تجربات کے اثرات بھی واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیں:

ے عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا درد کی دوا پائی دردِ لا دوا پایا

ے سادہ و پُرکار ہیں خوباں غالبؔ ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

ے بلبل کے کاروبار پہ ہے خندہ ہائے گل کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

غالبؔ کی شاعری کا بنیادی موضوع عشق ہے اور حسن کی پرستش ہے۔ انھوں نے جذبات حُسن و عشق کے بیان میں لکھنوی طرز فکر کی حامل پست اور ابتذال آمیز شاعری نہیں کی بلکہ اعلی معیار اور مشرقی اقدار کو مد نظر رکھتے ہوئے شرم و حیا اور پاس و آداب و حجاب و وضع ایسی معاشرت کے پس پردہ شعر تخلیق کیے جن کے ظاہری اور باطنی حُسن میں حُسن جاناں کی دل فریبوں اور جلوہ سامانیوں کا سارا منظر و ماحول صاف و شفاف نظر آتا ہے۔ سجاد باقری رضوی لکھتے ہیں:

''غالبؔ کے ہاں جو تخلیقی اور قدری رویے ملتے ہیں۔ ان کی اساس عشق ہے۔ عشق وہ ہوتا ہے جس سے برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی کے تمام قدرے رویے پیدا ہوتے ہیں۔ پاک و ہند میں مسلمانوں کی تہذیب کی بنیاد ہر عشق پر ہے۔۔۔ پس عاشقی لذت اندوزی نہیں، مرنے کے لیے تیار رہنے کا نام ہے۔'' 23ؔ

غالبؔ نے طویل عمر پائی اور اس طویل سفر حیات میں انھوں نے جہاں خوشی و مسرت اور بے فکری کا زمانہ دیکھا وہاں غم و الم اور حادثات سے بھی گزرے۔ ان کی زندگی والد کے سائے سے محرومی کے ساتھ ہی غمگیں ہو گئی تھی۔ نانا کے ہاں تربیت ضرور ہوئی مگر لاڈ پیار نے انھیں بگاڑ ڈالا اور اس زمانے میں شرفا کے لڑکوں بانکوں میں جو عادت راسخ ہو گئیں وہ تاحیات باقی رہی۔

غالبؔ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا کہ شراب نوشی اور جوا بازی اور قمار بازی ایسی عادت و خرافات میں پڑے کہ خاکساری کی روش اختیار کرنے کے باوجود ان عادات نے غالبؔ کو بہت دھکے کھلوائے مگر ان کی لاأبالی طبیعت اور عشق کے خلل دماغ نے ان کی کل کو سیدھا نہ ہونے دیا۔

غالبؔ نے غم اور ناکامی حیات کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ ان کے کلام میں یاسیت البتہ میرؔ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اپنے غموں پر ہنسنا اور بات ٹال کر مزاح کا رنگ پیدا کر دینا غالبؔ ایسے بڑے شاعر کا خاصہ ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

بطور مثال یہ اشعار دیکھیں:

ے رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

ے ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسد — ہم نے یہ مانا رہیں دلی میں پر کھائیں گے کیا

ے دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں — روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

مرزا غالب ؔ کی شاعری اُردو ادب کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ان کی شاعری میں آفاقیت پائی جاتی ہے؛اسی لیے ان کے کلام کو عالمی نقطہ نظر کی سند حاصل ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں جس دور، سماج، معاشرت اور عسکری و تہذیبی یلغار اور گراوٹ کا ذکر کیا ہے وہ انھیں سے ممکن تھا۔ان کی شاعری کی جدید فکری رونے ہندوستانی ادب کے مشترکہ دھارے کو اتصال وانجذاب کی طرف راغب کیا۔ان کی شاعری نے جہاں قدیم وجدید ذہن کے حامل افکار کو یکجا کر کے ہم آہنگی پیدا کی وہاں کلاسیکی اُردو غزلیہ شاعری میں اُسلوب بیان اور شاعرانہ صناعی کے مجتہد ٹھہرے۔

غالب ؔ کی عظمت کا ان کے ہم عصروں اور متاخرین نے بڑے کھلے، واضح، پُر اثر اور شفاف و جامع الفاظ میں اعتراف کیا ہے اور خراج پیش کیا ہے۔غالب ؔ ایک شخص کا نام نہیں بلکہ ایک دور، ایک عہد، ایک تاریخ ایک صدی اور ایک عالم حیرت واستعجاب نیز مسرت ونشاط کا نام ہے جس نے اُردو زبان وادب کی جملہ نظم ونثر کی اصناف کو اپنی فکر اور اُسلوب سے متاثر کیا اور ان سے اثر لینے والوں خود کو حلقہ غالبیاؔت کے مقلد و معتقد کہلائے جانے پر نہ صرف فخر کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان کے شاعرانہ قدو قامت اور شخصیت کے بڑے پن کا عاجزانہ اعتراف بھی کرتے ہیں۔

غالب ؔغزل کے شاعر ہیں اور غزل غالب ؔکی آبرو ہے۔ گویا اُردو غزل اور غالب ؔلازم وملزوم ہو گئے ہیں۔ غالب ؔ کے ذکر کے بغیر کلاسیکی اُردو غزل کا باب شروع نہیں کیا جا سکتا۔غالب ؔ نے اُردو غزل میں شخصی جذبات، انفرادی کیفیات، اجتماعی احساسات اور تخیلی واردات کا جو اضافہ بصورت اشعار کیا ہے وہ ان کے شاعرانہ عظمت کا بنیادی حوالہ ہیں۔

اگر یہ کہا جائے اُردو شاعری میں غالب ؔسب سے بڑا شاعر ہے تو ہو سکتا ہے کچھ لوگ مجھ سے اختلاف کریں البتہ کثیر تعداد میری اس رائے کی تائید کرے گی۔ بادی النظر میں ایک بڑے شاعر کو سب سے بڑا کہہ دینا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے لیکن اس کو واقعتا بڑا اور سب سے بڑا ثابت کرنا پڑ جائے تو دانتوں تلے پسینہ آجاتا ہے۔

جدید اُردو غزل پر غالب ؔ کی فکر اور شاعرانہ اُسلوب کے براہ راست اثرات پڑے۔ غالب ؔ کے شاگردوں میں مولانا حالی کے ساتھ ایک طویل فہرست ہے جن کے ہاں غالبیؔت کا مزاج ملتا ہے۔ان کے رفقا اور دوست شعرا کے ہاں بھی غالبیؔت کا تسلسل نظر آتا ہے۔

عہد حاضر کے نمائندہ غزل گو شعرا کے ہاں بھی غالب ؔ کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ حسرت، اصغر، یگانہ، فانی، فراق، جگر، فیض، ناصر، فراز اور جون ایلیا کے ہاں غالبیؔت کا رنگ سر چڑھ کے بول رہا ہے اور یہ رنگ اتنا پکا اور گہرا ہے کہ جب تک اُردو زبان باقی ہے اور شاعری کا ذوق ہے؛غالب ؔاور ممدوحین غالب ؔ کی روایت جاری رہے گی۔

حوالہ جات

1۔پر تھوی، چندر، جاگیر غالب ؔ، لکشمی پر نٹنگ ورکس دِلّی، سن (ندارد)ص 13

2۔غلام رَسُول مہر، مولانا، غالب ؔ، غالب ؔ انسٹیٹیوٹ دہلی، 2005، ص28

3۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب ؔ کے خطوط، جلد دوم، انجمن ترقی اُرد ُو پاکستان، کراچی، 1998، ص816

4۔مالک رام، ذِکر غالب ؔ، مکتبہ جامعہ، نئ دِلّی، 1976، ص39

5۔غالب ؔ، عود ہندی، عالمگیر الیکٹرک، پریس، لاہور، 1912، ص103

6۔ فخر الحق نوری، ڈاکٹر، مطالعات، پولیمر پبلی کیشنز، لاہور، 2000، ڈاکٹر، ص:09

7۔ محمد اکرام، شیخ، آثارِ غالب ؔ(غالب ؔ نامہ)، احسان بک ڈپو، لکھنؤ، سن (ندارد)، ص373

8۔عابِد علی عابِد، سَیّد، اُصولِ انتقادِ ادبیات، مجلس ترقی اَدب، لاہور، 1960، ص364

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

9۔ خلیق انجم، ڈاکٹر غالبؔ کے خطوط، ص848

10۔ ایضاً، ص816

11۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ اَدب اُردُو، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۴ء ص348

12۔ مقدمہ شعر و شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۲، ص: ۴۲

13۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اُردو، ، ص: ۳۵۵

13۔ مقدمہ شعر و شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۲، مولانا حالی، ص: ۴۲

14۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد چہارم، طبع دوم، جون، ۲۰۱۵، ص: ۱۴۳

15۔ اُسلوب احمد انصاری، پروفیسر غالبؔ کا فن، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص: ۲۲

16۔ اسلوب احمد انصاری، پروفیسر، غالبؔ کا فن، ، ص: ۲۴

17۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ غالبؔ: شاعر امروز و فردا، ، اظہار سنز، لاہور ۱۹۷۰ء، ص: ۱۸۷

18۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، ، مجلس ترقی ادب اُردو، لاہور، ۲۰۱۴، ص: ۱۳۶

19۔ عبدالرحمن بجنوری، ڈاکٹر، محاسن الفاظ غالبؔ، ، انجمن ترقی اُردو، ہند، ص: ۴۵

20۔ ، رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اُردو ، ص: ۳۵۷

21۔ محمد اکرام خالد، پروفیسر، اُردو کے نمائندہ کلاسیکی غزل گو، ، عبداللہ برادرز، لاہور، ، ص: ۳۱۷

22۔ غالبؔ، مرزا، خاں، اسداللہ، دیوان غالبؔ (المعروف نسخہ حمیدیہ)، ص: ۱۵۰

23۔ سجاد باقر۔ رضوی، سید، معروضات، ، نصرت پبلی کیشنز، لکھنو، سن (ندارد) ص: ۵۸